Regd. No. A. 909
Telephone No. 99
Telegram "ANJUMAN"

قیمت سالانہ تین روپے
ایک پرچہ دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڑھ - ۱۵ دسمبر ۱۹۵۷ ع | شمارہ ۴۷

اردو ٹائپ اور نستعلیق

[illegible] ——————

میں ہماری زبان پابندی سے پڑھتا ہوں بعض اوقات اس میں اردو کی ترویج و ترقی کے سلسلہ میں بڑے دلچسپ مضامین چھپتے ہیں، کچھ دن پہلے مذکورہ بالا عنوان سے دو مضمون چھپے تھے، ایک جناب سید شہاب الدین دسنوی کا تھا اور دوسرا جناب حیات اللہ انصاری کا۔ میں نے ان دونوں بزرگوں کو دور سے دیکھا ہے ایک آدھ بار ان کی تقریریں بھی سنی ہیں۔ پہلے سے ان کے متعلق میری کوئی رائے نہیں۔ البتہ ان کے مضامین پڑھنے کے بعد جو اثر میں نے لیا وہ یہ تھا۔

دسنوی صاحب نے ٹائپ کو رواج دینے کے سلسلے میں جو باتیں کہی ہیں وہ ثبوت کے ساتھ کہی ہیں اور ایک ایک چیز کا تجزیہ کرنے کے بعد فیصلہ ہمارے اوپر چھوڑ دیا ہے۔

انصاری صاحب نے اپنے مقدمہ کو پیش کرنے میں حقائق سے زیادہ جذبات سے کام لیا ہے۔ انھوں نے لیتھو کی حمایت میں بڑی بڑی ایجادوں کے نام تو گنائے ہیں لیکن معقول طریقہ پر یہ نہیں بتایا کہ غریب لیتھو پریس اس کو برداشت بھی کرسکتا ہے یا نہیں۔

انصاری صاحب نے لیتھو کی حمایت میں جن باتوں کو بنیاد بناکر بحث کی ہے وہ یہ تھیں۔

(۱) اردو خواں طبقہ نستعلیق کا عادی ہے۔ اس کو ٹائپ کا عادی بنانے میں ایک طرف مشکلیں ہیں تو دوسری طرف اس کے لئے ایک لمبی مدت اور کافی رقم درکار ہے۔

(۲) کتابت میں نسبتاً زیادہ مواد کھپایا جاسکتا ہے۔

(۳) فوٹو آفسٹ کی ایجاد نے لیتھو کی پس ماندگی کو دور کردیا ہے۔

(۴) لیتھو سستا پڑتا ہے۔

(۵) اگر اردو زبان کی طباعت کا کام ٹائپ میں ہوجائے تو پھر غیر مسلم اس کو قرآنی حروف کہہ کر پڑھنا چھوڑ دیں گے۔

پہلی بات کے جواب میں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ سوچنے کا یہ طریقہ ہی غلط ہے۔ اگر ابتدا ہی سے آدمی یہ سوچنے کا عادی ہوتا کہ "یہ تو بڑا مشکل کام ہے اس پر قابو پانے کے لئے کروڑوں روپے اور لمبی مدت چاہیے۔" تو دنیا اتنی ترقی نہ کرتی۔ انسان کا چاند پر پہنچنا تو بہت دور کی بات ہے قدرت کی بنائی ہوئی اس سرزمین میں انسان کی حیثیت ان کتوں سے زیادہ کچھ نہ ہوتی جو روسی سیاروں میں سفر کرنے کے لئے تیار کئے جارہے ہیں۔ مشکل آسان سب اضافی چیزیں ہیں۔ آج جس چیز کو ہم آسان سمجھتے ہیں وہ کل تک مشکل تھی اور جو چیز آج مشکل معلوم ہوتی ہے وہ کل آسان ہوجائے گی۔ عزم و ہمت شرط ہے جو ہمت کرکے آگے بڑھ جاتا ہے وہ منزل کو جا لیتا ہے اور جو پس و پیش میں رہتا ہے وہ کہیں کا نہیں ہوتا۔

دوسری بات جس کو انصاری صاحب نے بہت اہمیت دی ہے وہ ہے مواد کی زیادہ کھپت۔ ہمارے قومی آواز کا یہ حال ہے کہ اس کے ۸ صفحوں میں مشکل سے دو صفحے اداریہ، مضامین و اشعار اور تازہ خبروں پر مشتمل ہوتے ہیں باقی چھ صفحوں میں ڈھائی صفحے فلمی و غیر فلمی اشتہارات، ایک صفحہ بھرتی کی خبریں اور آدھ یا ایک صفحہ تصویریں، تصویریں تو کیا ہوتی ہیں۔ اچھے اچھوں کے منہ پر کالک لگی ہوتی ہے۔ تقریباً یہی حال دوسرے اخبارات کا بھی ہے۔ کیا یہی وہ مواد ہے جس

کی کھپت کے لئے انصاری صاحب لیتھو کی حمایت پر تلے ہوئے ہیں۔

گرفرض کریں کہ یہ محض الزامی جواب ہے تو بھی ہم کہتے ہیں کہ مواد کی زیادہ کھپت صرف کتابت میں نہیں ٹائپ میں ہوتی ہے جس طرح ایک کاتب خفی سے خفی قلم میں لکھ سکتا ہے اسی طرح ٹائپ میں بھی کم سے کم پائنٹ کے حروف موجود ہیں۔ اگر مواد زیادہ ہی کھپانا ہے تو انھیں استعمال کیا جا سکتا ہے اس وقت میرے سامنے ایران کے چھپے ہوئے ایک فارسی پرچے "یغما" کے کچھ نمبر ہیں یہ اپنی سائز اور مضامین کے اعتبار سے ہمارے ہاں کے "معارف و برہان" کے برابر ہے لیکن اس کے مواد کا یہ عالم کہ اس کے ایک صفحہ کا مواد معارف و برہان کے ڈیڑھ صفحے کے برابر ہوگا۔ پھر پرچہ بھی کافی خوبصورت اور مختلف تصاویر وغیرہ سے مزین ہے۔

تیسری بات جس پر انصاری صاحب نے پورا زور قلم صرف کردیا ہے وہ ہے فوٹو آفسٹ کی ایجاد۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ لیتھو کی حمایت میں فوٹو آفسٹ پر اس قدر طویل بحث کیوں؟ بے شک وہ ایک ترقی یافتہ ذریعۂ طباعت ہے۔ مگر اس کو لیتھو کے ساتھ مخصوص کر لینا کہاں کی دیانت داری ہے وہ جس طرح لیتھو میں استعمال ہو سکتا ہے اسی طرح ٹائپ میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔

فرض کر لیتے ہیں کہ فوٹو آفسٹ کا تعلق واقعی صرف لیتھو سے ہے مگر کیا انصاری صاحب ذرا واضح طریقے پر بتائیں گے کہ آج کوئی اپنی کتاب یا اخبار اس طرح چھاپنا چاہے تو اس پر کیا لاگت آئے گی۔ آج ہندوستان میں ہزاروں اردو روزنامے، اخبارات اور رسائل چھپتے ہیں، اگر فوٹو آفسٹ واقعی اس قدر ارزاں ہے تو پھر یہ سب فوٹو آفسٹ پر کیوں نہیں چھپتے۔ خود "قومی آواز" اس سے کیوں محروم ہے۔

"آئینہ" کا حشر ہمارے سامنے ہے یہ فوٹو آفسٹ کے ذریعہ ہی چھپتا تھا لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اتنا عمدہ پرچہ گھاٹے میں چلتا رہا اور اس کے مالک کی مخلصانہ کوششوں کے باوجود یہ سال ڈیڑھ سال سے زیادہ زندہ نہ رہا۔ جسے اگر فلمی پرچہ نہ ہوتا اور سے اس کو سہارا نہ دیتے تو وہ کبھی کا غوطہ کھا چکا تھا

سچی بات تو یہ ہے کہ انصاری صاحب قومی آواز کے ایڈیٹر ہیں اور قومی آواز، نیشنل ہیرالڈ اور نوجیون کا ساتھی پرچہ ہے۔ آج سے دس بارہ سال پیشتر جب نیشنل ہیرالڈ کا دوبارہ اجرا ہوا تو اس کے لئے بہتر سے بہتر اور ترقی یافتہ مشنری منگائی گئی۔ ایسی مشنری اس وقت ہندوستان میں سوائے ٹائمز آف انڈیا کے اور کسی کے پاس نہ تھی۔ اب تو دس بارہ سال بیت گئے اس مشینری میں اور اضافہ ہو گیا ہوگا اور انصاری صاحب کو وہ تمام سہولتیں حاصل ہوں گی جن کا انھوں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے۔ اس سے وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہندوستان کے ہر لیتھو پریس کو یہ سہولتیں حاصل ہیں چنانچہ اردو عبارتوں کے بیچ میں انگریزی اور ہندی عبارتوں کے کھپانے کا طریقہ بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قومی آواز میں آئے دن اسی ترکیب سے دیوناگری کی عبارتیں چھپا کرتی ہیں اس وجہ سے آج تک میرا ذہن اس بات کی طرف نہیں گیا کہ یہ بھی کوئی چیز ہے۔"

ہم کہتے ہیں یہی تو چیز ہے۔ آپ کی طرح کتنے لیتھو پریس ہیں جن کے پاس ہندی اور انگریزی کے ڈھلے ہوئے حروف موجود ہیں، ہزاروں ایسے لیتھو پریس دیکھے گئے ہیں جن کے پاس دو چار پتھر اور ایک مشین کے سوا کچھ نہیں۔ ٹائپ کی صورت وہ نہیں جانتے۔ آپ کا نسخہ آزمانے کے لئے غریب جائیں تو کہاں جائیں؟ اس کے برعکس ہر اردو ٹائپ پرنٹنگ مشین والا اپنے پاس ہندی اور انگریزی ٹائپ بھی رکھتا ہے اس کے لئے اردو میں ہندی اور انگریزی عبارتوں کو کھپانا کوئی دشوار نہیں ہے۔

انصاری صاحب کی چوتھی بات کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ کوئی چیز جب زیادہ ہو جائے تو سستی ہوتی ہے اور کم ہو تو مہنگی۔ آج لیتھو اس لئے سستا ہے کہ اس کا عام رواج ہے۔ کتابت کرنے والے مل جاتے ہیں۔ اور اردو کے لئے جگہ جگہ یہی طریقہ طباعت چل رہا ہے۔ کل اگر لیتھو کی جگہ ٹائپ کا رواج ہو جائے تو معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔

پانچویں بات کہہ کے انصاری صاحب نے کوئی اچھی مثال نہیں رکھی کیا انھیں یاد نہیں کہ سردار دیوان سنگھ کا ریاست بھی کسی زمانے میں ٹائپ میں چھپتا تھا کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا کہ یہ قرآنی حروف ہیں ہم نہیں پڑھیں گے علاوہ ازیں زبان کے متعلق اب ہندو مسلم کا سوال کیا رہ گیا ہے آپ خود سنگھوں کے ڈر سے اپنی داڑھی چھپا رہے ہوں تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔

بہرحال میری اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انصاری صاحب نے لیتھو کی حمایت میں جو بھی باتیں کہی ہیں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ ایک فرسودہ طریقہ طباعت ہے اس کو ختم ہونا چاہیے اور جتنی جلد اس کی جگہ ٹائپ لے لے اتنا ہی اچھا ہے۔

خط و کتابت صرف جنرل سکریٹری کے نام کیجیے

ہماری زبان

۱۵ دسمبر ۱۹۵۷ء

پتے کی بات

پروفیسر مجیب نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کانووکیشن کے موقع پر جو خطبہ دیا وہ پُر مغز بھی تھا اور پرکیف بھی۔ اس کا ایک حصہ ہندستانی شہریت کی ذمہ داریوں سے متعلق ہے جس سے سبھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا:

"اگر آپ طے کریں کہ سودا نہ کریں گے، ہندستانی شہریت کی ذمے داریوں کو بغیر کسی شرط کے قبول کریں گے تو آپ کے لئے ہندستان سے بہتر کوئی ملک نہیں ہے۔ یہاں کی وسعت کو دیکھئے، آبادی کو دیکھئے، اس غریبی، اس جہالت، اس قدامت پرستی اور تعصب کو دیکھئے جو رفاہ کے ہر کام کو مشکل بنا دیتا ہے تو آپ کے دل پر وہ چوٹیں لگیں گی جو مردوں کے دلوں کو اور کہیں نصیب نہیں ہوتی ہیں، یہاں راستے کی دشواریوں اور منزل کی دوری کو دیکھئے تو آپ کے ایمان اور آپ کے صبر کی وہ آزمائش ہوگی جو اور کہیں نہیں ہو سکتی، اور کہیں بھی حال کی ناکامیوں سے اس طرح مستقبل کی ناکامیوں کا یقین پیدا نہیں کیا جا سکتا اور کہیں بھی توفیق دل کو درد آشنا بننے کا ایسا قطعی حکم نہیں دیتی اور کہیں بھی عشق کی بات اس طرح ویرانے میں نہیں کہی جاتی۔ آپ شہریت کا حق دل و جان سے ادا کرنا چاہتے ہوں تو دوسروں کے پاس دوڑ دوڑ کر نہ جایئے، رہنما تلاش نہ کیجئے، موتی سیپ کے اندر رہ کر بڑھتا ہے، آب پاتا ہے موتی بننے کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔ تسلی اور تسکین کی باتوں سے فریب نہ کھایئے۔ اپنا خیرخواہ اسی کو سمجھئے جو آپ کے لئے دعا کرے کہ آپ کے کندھے بوجھ اٹھا اٹھا کر مضبوط ہوں، آپ کے پاؤں میں طاقت تھکنے سے پیدا ہو، آپ کا دل مصیبت کی آنچوں میں سونا بنے۔"

ظاہر ہے وہ اردو کے حامی ہوں یا اور کوئی، ان کو حق اسی وقت انھیں مل سکتا ہے جب وہ فرض کی پہلی منزل یعنی اپنے ملک سے وفاداری، اس سے محبت، اس کے احترام، اس کی شہریت کی ذمے داری سے صحیح معنی میں عہدہ برا ہوں۔ محبت استقلال سکھاتی ہے۔ خطروں سے محفوظ رکھتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی دشواریوں میں ثابت قدم رکھنا سکھاتی ہے۔ کردار میں فولاد کی صلابت پیدا کرتی ہے۔ ایک عشق میں ثابت قدم رکھ کر انسان دنیا کے بہت سے معاملات میں پختگی اور مستقل مزاجی کا ثبوت دے سکتا ہے۔ عاشق نہ "سیاست درباں" سے ڈرتا ہے نہ طعنۂ رقیب سے، اس کا عشق ہی اس کی فضیلت ہو جاتا ہے۔ وطن سے یہ محبت، وطن کے پست و بلند کا احساس دلائے گی، اس میں حق پرستی، انسان دوستی، اخلاقی اور سماجی احساس کو بڑھائے گی، خود غرضی، نفرت، تنگ نظری کو کم کرے گی۔ ایک اچھی لہر بڑھ کر دھارا بن جائے گی اور دریا میں ہیجان برپا کر دے گی۔ راستے میں جو چٹانیں حائل ہوں گی ان کا غرور پاش پاش کر دے گی، دوسری موجوں سے مل کر ایک طوفان کہلائے گی جو آلائش اور آخور کو بہائے جاتا ہے اور زمین کو زرخیز کر دیتا ہے۔

غربت، جہالت، قدامت پرستی، تعصب نے واقعی رفاہ عام کے کام کو مشکل اور صبر آزما بنا دیا ہے مگر جن کا عشق سچا اور حوصلہ بلند ہوتا ہے وہ دشواریوں سے گھبراتے نہیں ان کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں۔ مخالف کو خواہ مخواہ نیچا نہیں سمجھتے، اس پر اپنی صداقت واضح کرتے ہیں، طعنوں سے بھڑکتے نہیں، اپنے کام میں برابر مصروف رہتے ہیں۔ ہاں صرف اپنے گوشے میں بیٹھے ہوئے یہی بات کہنے پر قناعت کرنے کے بجائے مجمع عام میں، حکومت اور ارباب سیاست کے سامنے بھی اسے دہراتے ہیں، اس کا پرچار کرتے ہیں۔ جو آزادی انھیں ایک جمہوری حکومت نے اپنے خیال کے اظہار کی دی ہے اسے جائز طور پر استعمال کرتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں۔ ہندستان کی رنگا رنگ تہذیب کے ہر رنگ اور ہر جلوے پر فخر کرتے ہیں اور سب کو اس پر فخر کرنا سکھاتے ہیں۔

اردو کی تحریک کو جو لوگ سیاسی سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ یہ ایک لسانی اور تہذیبی اور اس لئے ایک سماجی تحریک ہے۔ اس تہذیبی اور سماجی تحریک کو ہماری موجودہ سستی سیاست نے سیاسی سمجھ لیا ہے اور یہ سیاسی تعصبات کا شکار ہو رہی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اردو دوستوں کا خلوص اور عزم، اس تحریک کے حقیقی خط و خال کو واضح کرتے رہے گا اور زمانہ دیکھ

ہے کہ یہ تحریک ملک و قوم کی کتنی بڑی اور گراں قدر خدمت کر رہی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اردو دوست بھی حقوق کے ساتھ مطالبات ہی نہ کریں۔ فرائض کی دشوار گزار لیکن متبرک راہ میں بھی ثابت قدم ٹھہریں۔ پروفیسر مجیب کے بصیرت افروز خیالات سے اس کام میں بہت مدد ملے گی۔

حضرت جوش ملسیانی کا اعزاز

حضرت جوش ملسیانی کی سالہا سال ادبی خدمات کے اعتراف میں ایک جلسہ دہلی میں منعقد ہوا۔ پنڈت گووند بلبھ پنت وزیر داخلہ نے شاعر موصوف کو ابھینندن گرنتھ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اردو ہندوستان کی قومی زبان ہے اس کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ ایسی فضا پیدا کی جائے کہ یہ دوسری علاقائی زبانوں کے ساتھ پروان چڑھ سکے۔ اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان سمجھنا جہالت کی دلیل ہے۔ یہ زبان مسلمانوں کی نہیں بلکہ تمام ہندوستانیوں کی ہے اس کی پیدائش اور پرورش بھی ہندوستان اور صرف ہندوستان میں ہوئی۔ پنڈت پنت نے جوش صاحب کی سادگی کی تعریف کرتے ہوئے انھیں درازی عمر کی دعا دی تاکہ وہ اردو ادب اور انسانیت کی اور خدمت کرسکیں۔ انھوں نے کہا کہ جوش صاحب کی ۵۰ سال کی ادبی خدمت اردو زبان پر قابل قدر احسان ہے۔ آخر میں پنڈت پنت نے عوام سے اپیل کی کہ وہ اردو کی بقا کے لئے کوشش کریں۔

جناب گوپی ناتھ امن نے جوش صاحب کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے ان کے زبان و بیان کو اعلیٰ معیار کا قرار دیا سفیر ایران جناب علی اصغر حکمت نے جوش صاحب کو نذر عقیدت کے طور پر اپنی دو کتابیں پیش کیں۔ جلسہ میں پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو، پروفیسر تلوک چند محروم۔ جناب جگن ناتھ آزاد۔ پنڈت ہری چند اختر کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخر میں مخصوص شعرا نے اپنا کلام سنایا۔

حلقہ شعر و سخن ڈانسین گنج

سید محمد اسمٰعیل نقوی صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ ڈانسین گنج (دہلی) میں سیٹھ عبدالستار صاحب کے مکان پر حلقہ شعر و سخن کا دوسرا طرحی مشاعرہ ہوا جس کی صدارت مولانا شمس نے کی مشاعرے میں طلبہ کے علاوہ اساتذہ نے بھی اپنا کلام سنایا حاضرین کی چائے اور بسکٹ سے ضیافت کی گئی۔

کل ہند اردو کانفرنس

کل ہند اردو کانفرنس کی نہایت سرگرمی سے تیاریاں جاری ہیں۔ اب تک تقریباً چھ سو ممبر بن چکے ہیں۔ مجلس استقبالیہ کی تشکیل کے بعد ممبر سازی کی مہم دوبارہ شروع کی جا رہی ہے۔

مجلس استقبالیہ کل ہند اردو کانفرنس کی مجلس منتظمہ کا ایک جلسہ مورخہ ۴ دسمبر ۵۵ء شام کے ۷ بجے انجمن ترقی اردو شاخ دلی کے دفتر میں منعقد ہوا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ایم۔ پی نے صدارت فرمائی۔ جلسہ شروع ہوتے ہی مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے وصال پر حسب تجویز تعزیت منظور ہوئی۔

جلسہ میں یہ متفقہ طور پر طے ہوا کہ مجلس استقبالیہ کے صدر جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور جنرل سکریٹری جناب گوپی ناتھ صاحب امن کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ دیگر عہدے داروں کا تقرر فرمائیں نیز جنوری یا فروری ۵۶ء کی کوئی تاریخ کل ہند اردو کانفرنس کے انعقاد کے لئے مقرر کردیں۔ جلسہ میں ممبر سازی کی مہم کو تیز کرنے کے لئے ممبر ساز کمیٹی میں نئے اراکین کا اضافہ ہوا اور مولانا نقیب الدین صاحب کو کمیٹی کا سکریٹری مقرر کیا گیا۔ نیز طے پایا کہ مجلس استقبالیہ کا دفتر اردو بازار جامع مسجد میں قائم کیا جائے قاضی معزالدین احمد صاحب کو دفتر کا ناظم مقرر کیا گیا ہے یہ دفتر فی الحال روزانہ ۳ بجے سے ۸ بجے شب تک کھلے گا۔

حسب ذیل حضرات نے جلسے میں شرکت کی۔

گوپی ناتھ صاحب امن (سابق وزیر دلی اسٹیٹ)، لالہ شام ناتھ صاحب (سابق صدر دہلی میونسپل کمیٹی۔ سید مظہر امام صاحب (ایم۔ پی)) ایم فاروقی صاحب (سکریٹری دلی اسٹیٹ کمیونسٹ پارٹی) راؤ بہادر گوڑ صاحب (ایم۔ پی) پروفیسر محمد مجیب صاحب (شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ) بیگم انیس قدوائی صاحبہ (ایم۔ پی) رام سرن چوہان صاحب (سکریٹری پرجا سوشلسٹ پارٹی دلی اسٹیٹ) شریمتی سلوشرما (میونسپل کمشنر) اور ڈاکٹر صلاح اللہ صاحب (پرنسپل استادوں کا مدرسہ، جامعہ نگر دہلی)

ناظم نشر و اشاعت

عزالدین احمد

مراسلات

اعتراض کی خاطر اعتراض

ہماری زبان مورخہ یکم دسمبر ۵۵ء کے حصہ مراسلات میں یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ بعض اصحاب آنکھیں بند کر کے محض اعتراض کی خاطر اعتراض کر دیتے ہیں چنانچہ آغا خلش کاشمیری صاحب کے اعتراضات اسی قبیل سے ہیں جن سے ممکن ہے بعض قارئین کو اشتباہ ہو۔ سطور ذیل رفع اشتباہ کی غرض سے درج ہیں۔

(۱) کاشمیری صاحب نے میرے تبصرے (یکم نومبر ۵۵ء) میں "علم عددلی" پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ "اردو ادب پر داغ کی حیثیت رکھتا ہے" وہ غور سے پڑھتے تو معلوم ہوتا کہ وہ عبارت میری نہیں۔ بلکہ سلطان الاذکار (کتاب زیر تبصرہ) کی تھی جس پر میں نے "تنقید" کی تھی اس میں علم عددلی آیا ہے جس کو میں خود درست نہیں سمجھتا معترض نے یہ بغیر سمجھے ہوئے کہ عبارت کس کی ہے اعتراض کر دیا وہ عبارت مذکورہ کو پھر پڑھیں اور اس "داغ" کو کالائے بد بریش خاوند کے اصول پر اصل مصنف کی طرف منتقل کر دیں۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ فاش غلطی کے بدلے میں فاحش غلطی لکھا گیا ہے۔" اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ "فاحش غلطی" عوام کی بول چال ہے زیادہ صحیح "فاحش غلطی" ہی ہے۔ اگرچہ جائز دونوں ہیں۔ فاش آشکار کے معنی میں اور فاحش حد سے بڑھنے والے کے معنی میں برابر آتا ہے عربی میں بولتے ہیں۔ ہو خطاء فاحش"۔ فارسی میں غبن فاحش غلط فاحش۔ کذب فاحش بکثرت مستعمل ہیں (ملاحظہ ہو فرہنگ جامع فارسی بہ انگلیسی صفحہ ۵۴۴ مطبوعہ ایران) اگر عربی و فارسی لغات تک رسائی نہ تھی تو فرہنگ آصفیہ یا نور اللغات ہی کو دیکھ لیتے جن میں لفظ "فاحش" کے تحت فاحش غلطی اور فاحش شکست موجود ہیں۔

اعتراض کے بعد کاشمیری صاحب نے عجب سوقیانہ انداز میں ایک فقرہ لکھا ہے جو ان کے خاص ذہنیت کی غمازی کرتا ہے۔ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ جواب میں ادھر سے بھی اسی ذہنیت کا مظاہرہ کیا جائے بلکہ صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا ست

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ "تقاضا اور تماشا" کی نسبت جو موصوف نے فرمایا ہے کہ یہ در اصل الف مقصورہ سے تھے یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ درحقیقت تقاضہ اور تماشہ بھی غلط ہیں اور تقاضی اور تماشی بھی غلط۔ یہ الفاظ عربی میں تقاضی اور تماشی (یا کے ساتھ) تھے۔ فارسی والوں نے یا کو الف سے بدل لیا۔ لہٰذا فارسی اور اردو میں تقاضا اور تماشا (الف کے ساتھ) درست ہیں۔

امید ہے کہ ان تشریحات کے بعد خلش رفع ہو جائے گی اور الفاظ زیر بحث کے متعلق کوئی اشتباہ باقی نہ رہے گا۔

ضیا احمد بدایونی

بشیر گرلز اسکول کا قیام

مولوی محمد بشیر الدین صاحب مرحوم کی یاد میں اٹاوہ میں لڑکیوں کا ایک اسکول بشیر گرلز اسکول کے نام سے کھولا گیا ہے اس وقت اسکول میں طالبات کی تعداد پچاس سے زائد ہے فی الحال تین استانیاں کام کر رہی ہیں۔

پانچویں درجے تک تعلیم کا انتظام ہو گیا ہے توقع ہے کہ جولائی ۵۶ء میں چھٹا اور ساتواں درجہ بھی کھول دیا جائے گا۔

مولوی بشیر الدین مرحوم کے احباب اور علم دوست حضرات سے توقع ہے کہ وہ اسکول کی سرپرستی قبول فرمائیں گے۔

راکمہ ہیڈ مسٹریس

حسن عسکری بلکھنوی

ڈاکٹر مسعود حسین خاں کا مقالہ "موجودہ ہندوستان میں اردو کے مسائل" ہماری زبان کے معیار پر ایک اچھا اضافہ ہے یہ مقالہ فکری اعتبار سے اہم ہونے کے ساتھ ساتھ لہجہ کے اعتبار سے بھی کافی اہم ہے یعنی جو لہجہ اپنے دامن میں حقائق رکھتے ہوئے جذبات کو بھڑکائے اس کی آج ضرورت نہیں ہے

۱۵ نومبر ۵۵ء کے ہماری زبان میں "شفیق فاطمہ شعریٰ کی نظم "گنگا کا المیہ" میں کچھ تاریخی حقیقتوں کو ایک ایسے لب و لہجہ میں پیش کیا گیا ہے جو فکری اور جذباتی اعتبار سے کافی توانائی رکھتا ہے۔

غیر اردو نام

۱۵ نومبر کے شمارے میں "انگا ایسیرنی ہم کی غیر البشر" پر تبصرہ ہے۔ مجھے اردو کتابوں کے غیر اردو ناموں پر سخت اعتراض ہے اس سے اردو کی کم مائیگی ظاہر ہوتی ہے حالانکہ اردو کم مایہ زبان نہیں ہے اردو مولفین اور مصنفین کو اس پر توجہ دلانی بہت ضروری ہے۔ یہ بات مان لی گئی ہے کہ اردو کو آسان بنانا بہت ضروری ہے اس کے باوجود کتابوں کے غیر اردو نام رکھنا اردو کو مشکل سے مشکل تر بنانا ہے۔

(محمد رحیم دہلوی)

اردو دنیا

اردو کے ساتھ انصاف

لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو فارسی کی ادبی سوسائٹی کا افتتاح کرتے ہوئے جناب کے اے ایس آئیر وائس چانسلر نے کہا کہ اردو ہم سب کا مشترکہ ورثہ ہے اسے ختم کرنے کی کوشش اپنی تاریخ کشی کے مترادف ہے یہ بات انتہائی افسوسناک ہے کہ سیاسی حالات بڑھ کر ہمارے ادبی ماحول پر اثر انداز ہوں۔ وائس چانسلر صاحب نے حاضرین کو یقین دلایا کہ اس یونیورسٹی میں اردو کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی جائے گی۔

سینٹرل لائبریری کرنول

دکن کے اخباروں میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ سینٹرل لائبریری کرنول میں اردو کتابیں جلد از جلد مہیا کی جائیں۔ حکومت کی جانب سے اردو کتابوں کی فراہمی کے لئے پانچ سو روپے دئے جا چکے ہیں لیکن ابھی تک لائبریری مذکور میں اردو کتابوں کا انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سکریٹری اردو کلب کرنول نے ایک خط سینٹرل لائبریری کرنول کے چیرمین کو لکھا ہے۔

وزیر مدراس کی یقین دہانی

حکومت مدراس کی وزیر تعلیم مسٹر سی سبرامنیم نے مدراس کی قانون ساز کونسل میں کہا کہ مدراس میں ہندی کا جبراً عائد کرنے کی سختی سے مخالفت کی جائے گی۔ ہندی کو سرکاری زبان کی حیثیت دینے سے پہلے تامل ہندی اور انگریزی کی حیثیت کا الگ الگ تعین کرنا ہوگا۔ تاکہ عوام کے دل سے ہندی کے غلبہ کرنے کا خوف دور ہو۔ سنسکرت اور اردو کے بارے میں انھوں نے کہا کہ ان زبانوں میں تعلیم نصاب کے باہر دی جاسکتی ہے اس کے لئے حکومت ہر ممکن مدد کرے گی۔

بزم ادب جھونجھنوں

بزم ادب جھونجھنوں کا ایک عام جلسہ مہومان پرشاد صاحب وکیل کی صدارت میں منعقد ہوا مقررین نے دوسرے پنج سالہ منصوبہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔

دوسرا پروگرام مشاعرے کا تھا جس کی صدارت اوجھا صاحب کمشنر جودھ کانت نے فرمائی ضلع حکام بھی شریک محفل تھے۔ آخر میں اوجھا صاحب نے جنگ آزادی میں اردو شعرا کی خدمات کا اعتراف کیا۔

بہار اسٹوڈنٹس اردو کانگریس

(از پٹنہ) جناب آل احمد سرور جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند کی پٹنہ میں تشریف آوری کے موقعے پر اراکین بہار اسٹوڈنٹس اردو کانگریس نے بتاریخ ۲۰ نومبر پانچ بجے شام کو ان کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا۔ عصرانے میں پٹنہ یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کی کافی تعداد موجود تھی۔ اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ پٹنہ کے ہر طبقے کے متعدد حضرات شامل تھے۔

اراکین بہار اسٹوڈنٹس کی طرف سے جناب آل احمد سرور کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا جناب آل احمد سرور نے سپاسنامہ کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آج کل کالج کے پروفیسر طلبہ کو اپنے عقیدے اور اپنے طریقے کا سائن بورڈ بنانا چاہتے ہیں ان پر اپنے عقیدے کا لیبل چپکانا چاہتے ہیں۔ ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ٹیگور کے لفظوں میں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت ابھی انسانیت سے ناامید نہیں ہوئی ہے۔ انھوں نے طلبہ کو نصیحت کی اور کہا کہ آج طلبہ کو اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے بہت سی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن یہ ایک چیلنج ہے اور اس چیلنج سے ان کو ناامید نہیں ہونا چاہئے بلکہ چیلنج تو اسی لئے دیا جاتا ہے کہ کرنے والے میں ایک امنگ اور ایک جذبہ پیدا ہو اس لئے طلبہ کو بھی اس چیلنج سے اپنے دل میں ایک نیا جذبہ پیدا کرنا چاہئے اور اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے نئی راہ پیدا کرنی چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ طلبہ کو اپنے جذبہ سے ایک نئی شمع جلانا ہے۔ اس موقع پر جناب پروفیسر شیو نندن پرشاد نے بھی تقریر کی۔

اردو شاعروں سے مسٹر گوتم کی درخواست

کانپور ڈی اے وی کالج میں منعقد مشاعرے میں حکومت یو۔ پی کے وزیر جناب موہن لال گوتم نے مشاعرے کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ اردو کے ادیبوں اور شاعروں کو دنیا کی بھلائی اور امن کے لئے اپنی فنی صلاحیتوں کا استعمال کرنا چاہئے۔

معاصرین

اردو کانفرنس —— (معاصر ملاپ سے اقتباس)

آج بھی اردو کو سمجھنے والوں، بولنے والوں اور پڑھنے والوں کی تعداد ملک میں بہت زیادہ ہے اور اس سے زیادہ ہے کہ اس بھاشا میں اپنے گن ہیں۔ ایک عظیم اور خوبصورت ساہتیہ اس کے پیچھے ہے سیکڑوں نہیں ہزاروں ادیبوں کی محنت ان کا تخیل۔ ان کا زور بیان اس کے پیچھے ہے۔ لیکن اس بھاشا کا بھوشیہ کیا ہے؟ کسی بھی راجیہ نے اسے اپنی راج بھاشا نہیں بنایا۔ راشٹر بھاشا یہ ہے نہیں تو پھر آنے والے دس پندرہ یا بیس برسوں کے بعد اس کی حالت کیا ہوگی؟ کچھ لوگوں نے غلط طور سے اردو کو مسلمانوں کی بھاشا سمجھ لیا رہی سہی کسر اس مسلم لیگ نے پوری کردی۔ جو ۱۹۴۷ء سے پہلے اس ملک میں موجود تھی۔ بھاشا کے سوال پر ایسا تعصب جاگ اٹھا جو بدنصیب اردو کے لئے جان لیوا بن گیا آج وہ تعصب عام طور سے موجود نہیں لیکن ایک عجیب بے رخی تو اردو کے متعلق ہے۔ سب لوگ اردو بولتے ہیں اردو لکھتے ہیں اردو سمجھتے ہیں اردو کے اشعار سمجھ کر جھوم اٹھتے ہیں ان اشعار کی مدد سے اپنی اپنی تقریروں اور تحریروں میں اثر پیدا کرتے ہیں۔ لیکن اردو کسی کی زبان رہی نہیں ایک عظیم بھاشا کو جس میں متعدد خوبیاں ہیں۔ جس میں یقینی طور سے ایک عظیم اثر اور ایک عظیم طاقت ہے۔ ہم نے عملی طور سے مرتی ہوئی بھاشا بنا دیا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس بدنصیب کو تپ دق ہوگیا۔ یہ بچے گی نہیں لیکن کیا ایسا کرنا درست ہے کیا ایسا کرکے ہم خود اپنے ہاتھ سے اپنا گلا نہیں کاٹ رہے ہیں یہ ملک اردو سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے ناانصافی کر رہا ہے جو اس کا اثاثہ ہے۔ اس ناانصافی کو کس طرح ختم کیا جائے اردو کو کس طرح اس کی جائز جگہ دلائی جائے اور اپنی پونجی کو آپ ہی تباہ کرنے کی اس پالیسی کو کس طرح روکا جائے ان سب باتوں پر غور کرنے کے لئے دسمبر کے آخر میں دہلی کے اندر کل ہند اردو کانفرنس ہو رہی ہے میں چاہتا ہوں کہ اردو کو پیار کرنے والے سب ہی بھائی اسے زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے کی کوشش کریں تاکہ "زبان کشی" کا جو کلنک ہمارے ماتھے پر لگنے والا ہے وہ لگنے نہ پائے۔

سرکاری زبان

کانگریس کے ممتاز ترین لیڈر اور سابق گورنر جنرل مسٹر سی راجگوپال آچاریہ (راجہ جی) نے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا ہے کہ یونین کی سرکاری زبان کی حیثیت سے انگریزی کی جگہ ہندی زبان کے ہم پر تسلط کئے جانے کے سوال پر غور کرتے ہوئے انگریزوں نے اپنے سے یہ سوال کیا ہے کہ کیا اسی ۔ ۔ کے لئے ہم نے قربانیاں دی تھیں اور مصائب برداشت کئے تھے؟ اگر حکمران جماعت کے زیر حکم ایک دور دراز صوبے کی زبان کا انگریزی کی جگہ لینا ضروری ہے۔ اگرچہ ہم سب کے لئے وہ قطعی غیر زبان ہے اور اسے محض اس لئے مسلط کیا جا رہا ہے جسے وہ بولتے ہیں تو مجھے امید ہے کہ وزیر اعظم (جن کے الفاظ خدا کا شکر ہے کہ اب بھی قانون کی حیثیت رکھتے ہیں) یقیناً ہندی کے تسلط کے اس خیال کو ختم کرنے کا فیصلہ کریں گے اور ایک ترمیم کے ذریعے زبان کے مسئلہ پر آئین کی دفعات کو تبدیل کر دیں گے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ کانگریس پارٹی کے جلسے میں ہندی کو سرکاری زبان بنانے کا فیصلہ محض صدر کے خصوصی ووٹ کے ذریعے عمل میں آیا تھا۔ اور اس جلسے میں خود نہرو نے ہندی کے سرکاری زبان بنائے جانے کے خلاف جنوبی ہند والوں کے ساتھ ووٹ دیا تھا۔

اگر وزیر اعظم ایسا نہیں کرتے اور اس احمقانہ ظلم کو محض اس لئے قائم رہنے دینا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کا ایک علاقہ زیادہ گھنا آباد ہے اور وہاں کے لوگ ہندی بولتے ہیں تو مجھے بھی یہ سمجھنا پڑے گا کہ جمہوری سوراج ظلم ثابت ہو رہا ہے۔

میں پھر نہایت سنجیدگی کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر ہم دولت مشترکہ میں شمولیت گوارا کر سکتے ہیں تو ہمیں انگریزی کو ملک کی سرکاری زبان تو قائم رہنے دینا چاہئے۔

(خلافت بمبئی۔ ۲۰۔ نومبر ۶۷ء)

انجمن کی خبریں

بھاگل پور (بہار) میں انجمن کی شاخ

بھاگل پور میں اردو دوستوں کا ایک شاندار جلسہ جناب المسیح صاحب وکیل کی صدارت میں ۲۰ نومبر کو منعقد ہوا۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری مولانا جناب صدیقی نے بھی جلسہ میں شرکت کی اور انجمن ترقی اردو کی خدمات اس کی ضرورت نیز شاخوں کے قیام کی افادیت پر تبصرہ کیا۔

ایک تجویز کے ذریعے ممبر سازی کی نگرانی اور دیگر کاموں کو انجام دینے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کا کنوینر جناب پروفیسر قمرالتوحید صاحب کو منتخب کیا گیا۔

حسب ذیل حضرات شریک جلسہ ہوئے۔

ڈاکٹر غیاث احمد صاحب اثر۔ پروفیسر قمرالتوحید صاحب پروفیسر احمد حسن صاحب۔ المسیح صاحب وکیل۔ حلیم احمد خاں صاحب وکیل۔ محمد ظفر عالم صاحب۔ حافظ محمد اسلم صاحب۔ حمید انجم صاحب۔ محمد شمیم احمد صاحب۔ عبدالجلیل صاحب شاد۔ اے انور صاحب۔ علی محمد صاحب بن بلال صاحب محمد شریف صاحب۔ شاکر حسن شاکر صاحب۔ عزم حیدری صاحب محمود الحسن صاحب۔ قمر محسن صاحب۔ سہیل تیوانی صاحب

مکرانہ میں اردو تعلیم

مولوی احترام الدین صاحب شاغل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان نے ڈائریکٹر تعلیمات راجستھان کی توجہ اپنی ایک تحریر کے ذریعہ سے اس درخواست کی طرف مبذول کرائی ہے جو مکرانہ کے پرائمری اسکولوں میں اردو تعلیم کے سلسلے میں انسپکٹر مدارس کو دی جا چکی ہے۔ مکرر مکرر عرض داشتوں پر حکام متعلقہ کے وعدہ وپیمان کے باوجود اب تک مکرانہ کے پرائمری اسکولوں میں اردو پڑھانے کا مناسب انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ حالانکہ ایسے طلبہ کی تعداد بھی کافی ہے اور ان کا مطالبہ بھی سخت ہے۔

یوم علامہ شبلی مرحوم

انجمن ترقی اردو (شاخ جمشید پور) کی طرف سے زیر صدارت حضرت سالک لکھنوی ۲۰ نومبر ۱۹۵۵ء کو "یوم شبلی" منایا گیا۔ سردار سنگھ اور مولانا عابدی سیمابی نے مقالے پڑھے۔ پروفیسر منظر شہاب اور سیف تجلی شہری نے تقریریں کیں۔

جناب صدر نے اپنی تقریر میں بتایا کہ علامہ شبلی مرحوم کس بلند مرتبہ کے بزرگ تھے۔ موصوف نے سرسید مرحوم کی تحریک سے علامہ شبلی مرحوم کے اشتراک کی نوعیت پر بحث فرمائی۔

اس کے بعد طرحی مشاعرے کا آغاز ہوا۔ قریب قریب تمام مقامی شعراء شریک جلسہ تھے۔ حضرت مورا نوی، خادم علی گردھی۔ سالک لکھنوی۔ منظر شہاب، نکل، سعید اختر، ہاشم ذاتقہ مجیبی، سالک اروی اور سردار میرٹھی بہت کامیاب رہے۔

مرہٹی ادیب کا خیر مقدم

مہاراشٹر کے نامور مرہٹی ادیب جناب اترے کا پرجوش خیر مقدم انجمن ترقی اردو دیگلور کی شاخ کی جانب سے کیا گیا۔ جناب اترے بمبئی اسمبلی کی اپوزیشن پارٹی کے چیف وہپ اور اخبار مراٹھا کے اڈیٹر بھی ہیں۔ انجمن کے نائب صدر جناب کرشن راؤ دلیش پانڈے نے ارکان انتظامی کا تعارف کرایا اور نائب صدر کانگریس مولانا شرف الحق ایڈوکیٹ نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے انجمن کی جانب سے ایک پر مغز اور مفصل تقریر کی۔ جناب اترے نے انجمن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ مہاراشٹر میں اردو کا مستقبل نہایت روشن ہے۔ مہاراشٹر کے عوام کو ہم نے اردو مرہٹی بھائی بھائی کا نعرہ دیا ہے۔ موصوف نے اردو ادیبوں سے اپیل کی کہ وہ مرہٹی ادب کو زیادہ سے زیادہ اردو میں منتقل کریں تاکہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے قریب آسکیں۔

انجمن کی شاخ چندوسی کا انتخاب

ڈاکٹر محمد دین صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ انجمن ترقی اردو چندوسی کا جدید انتخاب ۲۴ نومبر کو بوحسب ذیل عہدہ داران منتخب ہوئے۔

حکیم صدیق احمد صاحب نامی سہسوانی صدر حکیم قاری انعام الحق صاحب دیو بندی۔ نائب صدر ڈاکٹر محمد دین صاحب سکریٹری عبد الماجد خاں صاحب نائب سکریٹری عبد الغفور صاحب انصاری میونسپل کمشنر خزانچی۔

انجمن بارہ مولہ کشمیر

مشعل سلطان پوری صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ سلطان پورہ کنڈی تحصیل بارہ مولہ اطلاع دیتے ہیں کہ ۲۴ نومبر کو انجمن کا تیسرا ماہانہ اجلاس ہوا۔ مقررہ ممبروں کے علاوہ اور بھی کئی ممبران نے اس میں حصہ لیا۔ اردو کے مختلف ادوار پر روشنی ڈالی گئی مقالات پڑھے گئے۔ اردو ادب کے محسنوں کی سوانح عمریاں پڑھی گئیں اور مندرجہ ذیل حضرات نے اپنی تقاریر سے مستفید فرمایا۔

مشعل سلطان پوری۔ غلام قادر شکیب جناب محروق صاحب۔ جناب محمود صاحب۔ جناب ناوید صاحب۔ غیاث الدین غیاث۔ غلام محمد پریذیڈنٹ۔ اور ناظر صاحب اجلاس ٹھیک دس بجے سے شروع ہو کر چار بجے شام کو کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

انجمن کمرانہ کا جلسہ و مشاعرہ

انجمن ترقی اردو کمرانہ کا جلسہ و مشاعرہ زیر صدارت جناب وکیل بدری پرشاد صاحب سوامی B.A.L.L.B بروز منگل مورخہ ۲۲ نومبر کو منعقد ہوا مشاعرہ اور جلسہ میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں۔

جناب وکیل بدری پرشاد صاحب سوامی۔ جناب روشن علی صاحب رودھن گر۔ جناب عبد اللہ صاحب جناب پنڈت چمن لال صاحب شاستری۔ جناب نشتر صاحب کمرانوی جناب خوشتر صاحب کمرانوی۔ جناب عبد الغفور صاحب رودھن گر۔ جناب حافظ صاحب کمرانوی۔ جناب زینت صاحب۔

محبوبۂ اُردُو

ارشد صدیقی

میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

جانتا ہوں کہ تجھے تیرا وطن پیارا ہے
یہ حسیں رابطۂ گنگ و جمن پیارا ہے
جس کا چپہ چپہ ہی تری ہے وہ چمن پیارا ہے

میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

چھین سکتا نہیں تجھ سے کوئی گلشن تیرا
میری پرواز تخیل ہے نشیمن تیرا
گنگناتا ہے مرے گیتوں میں ساون تیرا

میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

شاخ گل تیری ہے یہ سرو و سمن تیرے ہیں
یہ بہاریں یہ شگوفے یہ چمن تیرے ہیں
یہ وطن تیرا ہے۔ ارباب وطن تیرے ہیں

میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

علم و فن کو سب گلزار دئے ہیں تو نے
قابل رشک قلم کار دئے ہیں تو نے
نئے شاعر نئے معمار دئے ہیں تو نے

میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

میں ترے حسن کو بے رنگ نہ ہونے دوں گا
تیرا دامان ادب تنگ نہ ہونے دوں گا
ان زبانوں میں کوئی جنگ نہ ہونے دوں گا

میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

حادثے آنکھ ملاتے ہیں گزر جاتے ہیں
ایک ہنگامہ اٹھاتے ہیں گزر جاتے ہیں
ایسے طوفاں بہت آتے ہیں گزر جاتے ہیں

میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

چھین سکتا نہیں تجھ سے کوئی انداز ترا
ل نہیں سکتا کسی غیر کو اعزاز ترا
یں کہ شاعر ہوں مرے ہاتھ میں ہے ساز ترا

میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

نستعلیق اور لیتھو گرافی

(بہ سلسلہ گزشتہ)

تمکین کاظمی حیدرآباد۔ دکن

حیدرآباد۔ دکن میں لیتھو گرافی غدر کے بعد ہی سے شروع ہوئی ابتداً نہایت ہی بھدی اور بڑی ہی بھونڈی چھپائی ہوتی تھی رفتہ رفتہ اس میں حسن پیدا ہوتا گیا۔ حیدرآباد میں بڑے اچھے اچھے خوش نویس تھے اور اب تک ہیں مگر ان لوگوں نے کبھی کاپی نویسی کی طرف توجہ نہیں کی ابتداً غوث الدین نامی ایک خوش نویس نے شمس الاسلام کے نام سے ایک لیتھو پریس جو دیسی ساخت کا تھا قائم کیا اور مطبع رکاب سعادت میں بھی ملازم ہو گئے چنانچہ ابتداً انھوں نے عمر خیام کی رباعیاں بڑی ہی نفیس لکھیں۔ پھر مختلف کتابیں لکھتے اور چھاپتے رہے اس طرح نفیس طباعت کی ابتدا انھوں نے کی ایک اور خوش نویس غلام محمد وفا تھے۔ جنھوں نے تاج پریس قائم کیا اور تاج نام سے ایک ماہوار رسالہ بھی مدتوں نکالتے رہے، وفا، اچھے شاعر اور بڑے خوش نویس اور بہترین لیتھو گرافر تھے۔ انھوں نے لیتھو گرافی میں بڑا کمال پیدا کیا اور رنگین طباعت کے بہترین نمونے پیش کیے چنانچہ حیدرآباد کے علم دوست حضرات وفاؔ سے لکھوا کر ان کے تاج پریس میں چھپوانے کے لئے بے چین رہتے تھے۔

جلی خط کے پوسٹر سب سے پہلے وفا ہی نے لکھے اور اپنے پریس میں شائع کئے جو بہت پسند کئے جاتے تھے چنانچہ چوب قلم کہہ کر لوگ انھیں چڑھایا بھی کرتے تھے ان کی اس جدت کو دیکھ کر حیدرآباد کے مشہور آرٹسٹ قیوم نے بھی مصور پوسٹر جلی عبارت کے ساتھ لکھے اور گنگا رام نے انھیں نظام دکن پریس میں شائع کیا، یہ سب سے پہلے تصویری پوسٹر تھے جو ہندوستان میں شائع ہوئے۔ مشہور قلم کار سہراب جی مودی جب اپنی ناٹک کمپنی لے کر حیدرآباد آئے اور ہملٹ پیش کیا تو اس کی سین سینری قیوم ہی نے بنائی اور بڑے بڑے پوسٹر مصور بنا کر چوب قلم عبارت بھی لکھی اور دو رنگ میں انھیں اپنی ہی نگرانی میں چھپوایا اس کے بعد قیوم پوسٹر بنانے میں اتنے منہمک ہو گئے کہ ناٹک سنیما وغیرہ کے رنگین پوسٹر ان سے چپک کر رہ گئے۔

بیس پچیس سال پہلے اکبر وفاؔ قانی نے پندرہ روزہ "فن کار" جاری کیا تو قیوم کو مجبور کر کے اس کے لئے تصویریں بنوائیں اور بڑی نفیس لیتھو کی تصویریں چھاپیں۔ اکبر کا تخیل، قیوم کی قلم کاری اعظم اسٹیم پریس کی لیتھو گرافی نے مل کر اس فن کے بڑے اچھے نمونے محفوظ کر دیئے ہیں۔

شمس الاسلام پریس کے مالک غوث الدین نے آخر وقت میں اپنے داماد ریاست علی خوش نویس کو کتابت سکھا کر اپنے پریس میں ساتھ رکھا تھا جب ان کا انتقال ہو گیا تو ریاست علی نے بڑی ہی محنت اور خوش سلیقگی سے پریس کو چلایا اور تیس سال سے زیادہ عرصے تک ایک ہی ہنج پر کام کرتے رہے ریاست علی کی لکھی ہوئی کتابیں پبلشر و پرنٹر اور رقعے اب تک لوگ نمونے کے طور پر رکھ کر فخر سے بتاتے ہیں افسوس ہے کہ گزشتہ سال ریاست علی نے انتقال کیا اب حیدرآباد کے پرانے خوش نویس کاتبوں میں عماد پریس کے مالک علی میاں رہ گئے ہیں جو بڑے اچھے خوش نویس اور کاتب ہیں۔

حیدرآباد کی لیتھو گرافی زیادہ ممنون ہے دارالطبع سرکار عالی اور دارالطبع جامعہ عثمانیہ کی، دارالطبع سرکاری جو اب گورنمنٹ سنٹرل پریس بن گیا ہے تقریباً ۵۰ سال سے قائم ہے جو بڑے سے اعلیٰ پیمانے پر کام کئے جا رہا ہے۔ نستعلیق ٹائپ بھی اسی پریس کی ایجاد ہے جس کی تکمیل کا سہرا نظام الدین صاحب نائب ناظم کے سر ہے۔

دارالطبع جامعہ عثمانیہ نے اپنی کتابیں بڑی عمدگی سے طبع کیں چنانچہ اس محکمہ کے خوش نویس بھی بڑے ہی اچھے نستعلیق نویس تھے جن میں سے چند اب بھی باقی ہیں۔

اعظم اسٹیم پریس نے حیدرآباد کی طباعتی دنیا میں ایک انقلاب عظیم بپا کر دیا تھا اور بڑے ہی نفیس نمونے لیتھو گرافی کے پیش کیے تھے مگر افسوس ہے کہ یہ پریس اب بند پڑا ہوا ہے۔ (باقی)

پتہ دیکھئے

اگر پتہ کے گرد سرخ نشان ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ اس اشاعت یا ان دو اشاعتوں کے بعد آپ کی میعاد خریداری ختم ہو جائے گی مہربانی فرما کر ہماری زبان کی سالانہ قیمت مبلغ تین روپے منی آرڈر سے بھیجئے تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے (منیجر)

تبصرے

ضیا احمد بدایونی

رسول پاک کی صاحبزادیاں

از۔ اعجاز الحق قدوسی

ناشر اسلامک پبلشرز حیدرآباد۔ دکن قیمت بارہ آنے

آج کل جب کہ تقریباً تمام دنیائے اسلام افکار وخیالات ماندو بود۔ وضع وقطع ہر چیز میں مغرب کی تقلید کو اپنے لئے طغرائے امتیاز سمجھتی ہے۔ اور کعبہ کی بجائے، ترکستان، کو اپنی منزل مقصود اور قبلہ امید قرار دئے ہوئے ہے۔ اور نہ صرف مرد بلکہ خواتین بھی آنکھیں بند کئے اسی جادہ نو پر گام زن ہیں۔ مبارک ہیں۔ ادارۂ اسلامک پبلشرز حیدرآباد دکن کے ارکان جنھوں نے قرون اولیٰ کے مقدس رجال اور خواتین کی سیرت کا سلسلہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے زیر نظر کتاب جناب اعجاز الحق قدوسی نے بچیوں کے لئے نہایت آسان اور دلچسپ انداز میں لکھی ہے۔ اس میں رسول مقبول کی صاحبزادیوں کے حالات زندگی۔ ان کی اطاعت ومحبت رسولؐ۔ ان کے تقویٰ وعبادت۔ زہد وقناعت شرم وحیا۔ صبر ورضا۔ خلوص وایثار کا بیان بڑے موثر اور دلنشین طریقے سے کیا گیا ہے اور کتاب اپنے مقصد میں سو فیصدی کامیاب ہے۔ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ اسوۂ حسنہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ عام انسانوں کے لئے بھی شمع ہدایت کی حیثیت رکھتا ہے۔ بنات طاہرات خصوصاً حضرت سیدۃ النساءؓ کی مقدس زندگی کو اگر دستور العمل بنایا جائے تو دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہماری عائلی زندگی آج بھی امن وراحت اور سکون وعافیت کی جنت بن سکتی ہے۔ اسی کے پیش نظر شاعر مشرق نے کہا تھا۔

مزرع تسلیم را حاصل بتولؑ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ

یہ کتاب صرف بچیوں اور بچوں کے لئے مفید اور سبق آموز ہے بلکہ تمام لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ قابل مصنف نے فٹ نوٹ میں ماخذوں کا حوالہ دے دیا ہے جس سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ اسی کے ساتھ بچوں کے لئے آخر میں مشکل الفاظ کے معنی دے دئے گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ کوئی گھر اس کتاب سے خالی نہ رہے جناب سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کی عمر شریف کی نسبت روایت میں اضطراب معلوم ہوتا ہے۔ مصنف نے آپ کی عمر ۲۹ سال بتائی ہے یعنی اس حساب سے آپ کی ولادت بعثت نبوی سے ۵ سال پہلے ہوئی ہوگی۔ مگر یہ امر متفق علیہ ہے کہ جناب سیدہ کا عقد ۲ھ ہجری میں ہوا جب کہ آپ کا سن ساڑھے پندرہ سال تھا۔ اور وفات ۱۱ھ میں واقع ہوئی۔ لہٰذا یہ مسلّم ہے کہ آپ کی عمر ساڑھے چوبیں یا پچیس سال کی ہوئی اور آپ بعثت سے صرف ایک سال پہلے متولد ہوئیں۔ یہ درست ہے کہ بعض علماء خصوصاً زرقانی نے ۲۹ ہی کو صحیح کہا ہے۔ لیکن دوسرے صحیح تر حساب کی موجودگی میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ کے دو محبوب

یہ کتاب بھی قدوسی صاحب کی تصنیف ہے اور مذکورہ بالا ناشرین ہی نے اسے شائع کیا ہے۔ قیمت ۸ر آنے۔

اس میں پیغمبر اسلام علیہ السلام کے دو محبوب صحابیوں حضرت زید بن حارثہ اور ان کے فرزند حضرت اسامہ کے سوانح حیات ہیں۔ حضرت زیدؓ کو کئی اعتبار سے تمام صحابہ کرام میں امتیاز حاصل ہے (۱) وہ سابقین اسلام میں ہیں بلکہ سب سے پہلے آزاد کردہ بزرگ ہیں جو مشرف بہ اسلام ہوئے

(۲) وہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن مجید میں آیا ہے

(۳) وہ صحابہ میں واحد شخص ہیں جو پہلے زید بن محمد کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔

(۴) متبنیٰ فرزند کے بارے میں جو عرب کا رواج تھا قرآن نے ان کے سلسلے میں اس کی منسوخی کا اعلان کیا۔

(۵) اگرچہ وہ آزاد کردہ غلام سمجھے جاتے تھے تاہم رسول پاک نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے ان کا نکاح کیا اور کئی بار تمام شرفائے قریش پر ان کو امیر بنایا۔

غرض حضرت زید کی رسول مقبول سے محبت اور آپ کی نظر میں زید کی محبوبیت مسلم ہے اسی کے ساتھ حضرت زید کا ایثار، جہاد میں شجاعت اور راہ حق میں شہادت تاریخ اسلام کے تابناک واقعات ہیں ان کے بیٹے حضرت اسامہ کو بھی بارگاہ رسالت میں اسی طرح مقبولیت اور محبوبیت کا شرف حاصل تھا۔ قدوسی صاحب نے یہ کتاب آسان اور دلکش انداز میں لکھ کر اردو اور اسلام کی صحیح خدمت انجام دی ہے یہ کتاب خصوصاً بچوں کے لئے لکھی گئی ہے لیکن بڑوں کے لئے بھی یکساں طور پر مفید ہے۔ عبارت کا انداز ہلکا پھلکا اور زبان صاف اور آسان ہے۔ ایک جگہ عبارت میں جھول نظر آیا۔ صفحہ ۱۱ پر ہے "یہ نکاح اس خیال کو مٹانے کے لئے کیا گیا تھا کہ شرافت کا تعلق اسلام میں خاندان، کنبوں اور مالداری سے نہیں۔ بلکہ تقویٰ، پرہیزگاری اور نیکی سے ہے۔" یہ دراصل ذلتِ قلم ہے اور مصنف رَو میں الٹی بات لکھ گئے کتاب کے آخر میں فرہنگ دے دی گئی ہے امید ہے کہ فاضل مصنف اس مفید سلسلے کو برابر جاری رکھیں گے۔

٭ انگلیں واپس کیا جائے۔

نئے لکھنے والے اپنے حلقۂ اثر سے ادبی رسائل کے کتنے خریدار بناتے ہیں۔ خود کتنے ادبی رسائل خرید کر پڑھتے ہیں؟ کیا ترقی کی بنیاد صرف چھپنا ہے؟ آخر نئے لکھنے والے ترقی کر کے چھپنا پسند کیوں نہیں کرتے؟

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا"

بقیہ مراسلات

اعجاز صدیقی

۳۰ نومبر کے ہماری زبان میں "نئے لکھنے والوں کے مسائل" پر سلیمان اطہر کی تحریر نظر سے گذری یہ نوجوان شاید میری بات کو نہ سمجھ سکے۔ وہ تین باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ "انجمن نوجوان مصنفین بمبئی" نے جس مسئلے کو صرف بمبئی ہی کے نئے ترقی پسند لکھنے والوں تک محدود سمجھا، میں نے اسے ہندوستان اور پاکستان کے تمام نئے لکھنے والوں کا مسئلہ بنا کر پیش کیا ہے خواہ وہ ترقی پسند ہوں یا غیر ترقی پسند میرے مخاطب تنہا بمبئی کے نوجوان لکھنے والے نہیں

(۲) نئے لکھنے والوں پر میں نے اپنی رائے تھوپنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ بعض عام کوتاہیوں اور کمزوریوں کی طرف اشارے کر کے نئے لکھنے والوں کو خود سوچنے اور غور کرنے کی دعوت دی ہے۔

(۳) یہ مقصد بھی نہیں کہ اردو میں اچھے نوجوان لکھنے والے سرے سے ہیں ہی نہیں۔ ضرور ہیں مگر بہت کم۔

(۴) شاعری اور افسانہ نگاری کا مرض جو وبا کی طرح پھیل گیا ہے جن کا املا اور انشا بھی درست نہیں وہ بھی ادیب اور شاعر بننے کے دعویدار ہیں، میرا مطمح نظر اس کی روک تھام بھی ہے۔

(۵) میری تحریر مخلصانہ اور ہمدردانہ ہے۔ نئے لکھنے والوں کو گھٹانا، دبانا اور مایوس کرنا مقصود نہیں بلکہ انہیں آگے بڑھانا ہے۔ میں نے اس مضمون میں اپنے گہرے فکر و تردد اور بے چینی کا اظہار کیا ہے میری دلی تمنا ہے کہ اردو میں بلند معیار نئے لکھنے والے پیدا ہوں۔ نوجوان مصنفین تقلید کاری سے باز رہیں اور گروہ بندی کا شکار نہ ہوں۔

بعض بڑے ادیبوں اور شاعروں سے اس مسئلہ پر زبانی گفتگو بھی ہوئی۔ وہ بھی مجھ سے بڑی حد تک متفق ہیں۔ پھر بھی میں اپنی بات کو حرف آخر نہیں سمجھتا۔ جزوی اختلاف ممکن ہے ہاں مجموعی طور پر اس سے اتفاق ہی کیا جائے گا۔

ہماری بدقسمتی سے نئے لکھنے والوں کی زیادتی اور پڑھنے والوں کی کمی و عدم توجہی کی بنا پر اگر ہندوستان میں اس وقت دو ہی تین معیاری ادبی پرچے باقی رہ گئے ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان میں غیر معیاری تخلیقات بھر دی جائیں یا ہر روز نئے لکھنے والوں کی اوسطاً تیس چالیس غزلوں، نظموں، ان کے بھیجے ہوئے دس بارہ افسانوں اور مقالوں کو فوری طور پر چھاپ لیا جائے۔ ان کی اصلاح کی جائے بلکہ